الابریز از سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ میں مباحث سیرت

فخر زمان☆

ڈاکٹر نائلہ صفدر☆☆

Abstract

Seerat-un-Nabi is so rich topic that it has been authored prolifically and would remain so till doomsday. Syyad Abdul-Aziz Dabag a twelfth century sufi saint, his discourse on sufism is collected by Ahmad-bin-Mubarak Suljamasi in his work "Al Abriz". In the book focuses on various facts of Seerat-un-Nabbi e.g the birth, shaq-e-Saddar, prohpethood, mirag, sulah-e-Hudebia, Battle of Tabbok, the knowledge of Holy Prophet, the physical features of Holy Prophet(ﷺ) has been described sublimely.

Key Words: Ahmad-bin-Mubarak Suljamasi, Abdul-Aziz Dabag, Al Abriz, Prolifically, Doomsday, Discourse, Shaq-e-Saddar, Mirag, Prohpethood.

سیرت نبوی ﷺ ایک ایسا سدابہار موضوع ہے جس پر ہر دور میں لوگوں نے طبع آزمائی کی اور خوبصورت سیرت کے گلدستے دیکھنے میں آئے۔ سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ مغربی بارہویں صدی ہجری کے معروف اُمّی صوفی بزرگ ہیں جن کے تصوف پر اقوال وتشریحات کو علامہ احمد بن مبارک سلجماسی رحمۃ اللہ علیہ نے

☆لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج سالاروالا، فیصل آباد

☆☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور

''الابریز'' میں جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی، متعدد قرآنی آیات، احادیث نبویہ کی بے نظیر تشریحات اور علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کرنے کے علاوہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آفرینش، روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت، شق صدر، بعثت نبوی، معراج شریف، صلح حدیبیہ، غزوۂ تبوک، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی، علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک وغیرہ۔

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آفرینش

سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق فرمایا۔ پھر اس نور سے لوح و قلم، ستر حجاب، فرشتے، عرش، ارواح، جنت اور برزخ کو پیدا کیا۔ یہ مخلوقات اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے سیراب ہوئیں۔ قلم سات بار آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے خوب سیراب ہوا اور یہ تمام مخلوقات سے بڑا ہے، اسی طرح پانی بھی سات بار سیراب ہوا لیکن قلم سے کم۔ حجاب تو ہر وقت سیراب ہوتے رہتے ہیں۔ عرش دو بار سیراب ہوا، ایک بار ابتداء آفرینش کے وقت اور دوسری بار تمام آفرینش کے وقت تاکہ اپنی ذات کو قابو میں رکھ سکے۔ اسی طرح جنت بھی دو مرتبہ سیراب ہوئی ایک ابتداء میں اور دوسری بار تکمیل خلقت کے وقت تاکہ اپنی ذات پر قابو رکھے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام مومن خواہ وہ گذشتہ امتوں میں سے ہوں یا اُمت محمدیہ میں سے آٹھ بار سیراب ہوئے۔ پہلی بار عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کا نور پیدا کیا، دوسری مرتبہ جب اس سے ارواح کو صورت و شکل دی گئی۔ چناں چہ ہر روح کو صورت و شکل دیتے وقت اُسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے سیراب کیا گیا۔ تیسری بار اس دن جب ''أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کہا گیا تھا۔ کیوں کہ مؤمنین اور انبیاء کی تمام وہ روحیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا جواب دیا انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے سیراب کیا لیکن کسی کو زیادہ تو کسی کو کم۔ اسی لیے مؤمنین میں تفاوت پیدا ہوا کہ کوئی عامی رہا اور کوئی ولی بن گیا۔ اسی طرح باقی تمام مخلوق بھی خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے سیراب ہوئی اور اگر اس میں نور نہ ہوتا تو کوئی شخص دُنیا کی کسی چیز سے فائدہ نہ اُٹھا سکتا۔(۱)

اگر نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتا تو زمین کا کوئی راز ظاہر نہ ہوتا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو نہ کوئی چشمہ پھوٹتا اور نہ ہی کوئی دریا چلتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مارچ کے مہینہ میں تین بار بیجوں پر اپنی خوشبو چھوڑتا ہے تو

آپ ﷺ کی برکت سے ان میں پھل آتا ہے اگر آپ ﷺ کا نور نہ ہوتا تو ان میں کبھی پھل نہ آتا۔ (۲)

روحِ محمدی ﷺ:

سب سے قوی روح وہ ہے جس کا ذوق عرش، فرش اور دیگر عوالم کو چیر کر نکل جائے اور یہ طاقت آنحضرت ﷺ کی روحِ مبارک کو حاصل ہے کیوں کہ آپ ﷺ کی روح سلطان الارواح ہے اور یہ روح آپ ﷺ کے جسم مبارک میں رضا، محبت اور قبول کی طرح ساکن ہو چکی ہے اور دونوں کے درمیان سے حجاب بھی اُٹھ چکا ہے، چناں چہ آپ کی روح مقدس کا ذوق آپ ﷺ کے کمال کے مطابق ہے اور آپ ﷺ کے طاہر تُرابی جسم کا عوالم کو چیر کر نکل جانا ثابت ہے اور یہی وہ کمال ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہوسکتا۔ (۳)

روحِ محمدی ﷺ سے کوئی چیز محجوب نہیں ہے:

تمام ارواح میں قدر و منزلت اور حجم کے لحاظ سے عظیم ترین روح نبی اکرم نورِ مجسم ﷺ کی روح مبارک ہے۔ کیوں کہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں کو پر کیے ہوئے ہے۔ روحِ محمدی ﷺ سے دُنیا کی کوئی چیز محجوب نہیں ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کو عرش و فرش، علو و سفل، دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی خبر ہے۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ تو آپ ﷺ کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ کو اجرام سماویہ میں سے ہر جرم کا علم ہے یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے۔ کب اور کیوں پیدا کیا گیا ہے اور اس کا منتہا کیا ہوگا۔ آپ ﷺ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون سا فرشتہ کس فلک پر پیدا کیا گیا ہے، کب پیدا کیا گیا ہے کیوں پیدا کیا گیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ آپ ﷺ کو ان کے اختلاف مراتب اور منتہی درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ ﷺ کو ستر حجابوں اور ہر حجاب کے فرشتوں کا بھی علم ہے اسی طرح آپ ﷺ کو عالم علوی کے اجرام نیرہ کا بھی علم ہے مثلاً ستارے، سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور وہ روحیں جو برزخ میں ہیں اسی طرح آپ ﷺ کو ساتوں زمینوں، ہر زمین کی مخلوقات اور بر و بحر کی تمام اشیاء کا علم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور اُن کے مقامات کی پوری واقفیت ہے۔ علی ہذا القیاس دیگر عوالم کے متعلق بھی آپ ﷺ کے علم کا یہی حال ہے۔ (۴)

آنحضور ﷺ کا سالِ ولادت:

آنحضور ﷺ کے سال ولادت کے بارے میں بھی علماء کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ چناں چہ

بعض کہتے ہیں آپ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور ہاتھیوں کے واقعہ سے پچاس دن بعد ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے پچپن ماہ بعد ہوئی۔ بعض دس سال بعد اور بعض پندرہ سال بعد بتاتے ہیں۔ حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ تو عام الفیل میں ہوئی مگر ہاتھیوں کے آنے سے پہلے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود پاک کی بدولت ہی تو ہاتھیوں کو مکہ سے دھکیل دیا تھا۔(۵)

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس ماہ میں ہوئی:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارک کس ماہ میں ہوئی اس بارے علماء کا اختلاف ہے حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کس ماہ میں ہوئی؟ کیوں کہ اس بارے میں علماء کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے چناں چہ بعض صفر بتاتے ہیں اور بعض ربیع الآخر، بعض رجب کہتے ہیں اور بعض رمضان المبارک۔ بعضوں نے عاشورہ کا دن کہا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مہینے کی تعیین کا ہمیں علم نہیں ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ربیع الاول میں ہوئی۔(۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینہ میں کس دن ہوئی؟ کیوں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ چناں چہ بعض دو ربیع الاول، بعض سات اور اکثر علماء نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ بعض نے ۹ ربیع الاول اور بعض نے بارہ ربیع الاول بیان کیا ہے۔

حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ۷ ربیع الاول کو ہوئی اور یہی حقیقت نفس الامری ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ربیع الاول کی ساتویں رات کو ہوئی۔(۷)

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے کس حصہ میں ہوئی؟:

علامہ احمد بن مبارک سلجماسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں میں نے حضرت سید دباغ علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ کیا ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت ہوئی، جیسا کہ ایک جماعت کا خیال ہے اور انہوں نے ثبوت میں وہ حدیث پیش کی ہے جو حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ حضرت فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت موجود تھی جب

آپ ﷺ پیدا ہوئے تو تمام گھر نور سے بھر گیا اور کیا دیکھتی ہوں کہ ستارے قریب آ رہے ہیں یہاں تک کہ مجھے یوں خیال ہوا کہ وہ مجھ پر آ گریں گے۔ اس حدیث کی روایت بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور ستارے صرف رات کے وقت پائے جاتے ہیں۔

یا پھر یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ دن کو ہوئی اور محدثین نے مسلم وغیرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اسے صحیح سمجھا ہے مگر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ یہ طلوعِ فجر سے تھوڑا سا وقت بعد میں ہوئی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے اگرچہ کہ وہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے، انہوں نے مذکورہ بالا حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ تارے تو فجر طلوع ہونے کے بعد تک دکھائی دیتے ہیں لہٰذا اس حدیث سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت رات کے وقت طلوعِ فجر سے پہلے ہوئی۔ (۸)

حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (جس سے آپ ﷺ کی ذات کریمہ کے اسرار کا پتہ چلتا ہے) کہ واقعہ اور نفس الامر بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش رات کے آخری حصہ میں طلوعِ فجر سے پہلے ہونا شروع ہوئی مگر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی خلاصی کہیں طلوع فجر کے وقت جا کر ہوئی۔ وہ وقت جو آنحضرت ﷺ کا بطن مادر سے باہر آنے اور والدہ سے علیحدہ ہونے میں گذرا، یہی دُعا کی مقبولیت کا وقت ہوتا ہے جس کا ذکر احادیث مبارکہ میں آیا ہے اور جس کی عظمت وبزرگی بیان کی گئی ہے۔ اس گھڑی کی مقبولیت کا وصف قیامت تک رہے گا۔ نیز فرمایا یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں روئے زمین کے اولیاء جن میں غوث واقطاب سبعہ، اہل دائرہ اور عدد بھی شامل ہیں اکٹھے ہوتے ہیں ان کا اجتماع مکہ سے باہر غار حرا میں ہوتا ہے۔ یہی لوگ نورِ اسلام کے عمود کے حامل ہیں اور انہی کی بدولت تمام اُمت محمدیہ ﷺ کو مدد حاصل ہوتی ہے لہٰذا جس کی دُعا ان کی دُعا سے اور جس کی تہجد ان کی تہجد سے موافقت کھا جائے خدا اس کی دُعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ (۹)

آنحضور ﷺ کی مدت حمل:

علامہ احمد بن مبارک سلجماسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی مدت حمل کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی مدت حمل کس قدر تھی؟ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی مدت حمل دس ماہ تھی۔ (۱۰)

شقِ صدر:

ملائکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک شق کیا اور اس میں سے جو نکالنا تھا نکالا اور پھر جس چیز سے دھونا تھا دھویا اور پھر اسے ایمان وحکمت سے بھر دیا۔(۱۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر کتنی بار ہوا؟ کیوں کہ احادیث مبارکہ میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر تین بار ہوا۔ پہلی بار بچپن میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے شیطانی حصہ نکال دیا گیا، کیوں کہ ذات ترابی کا تقاضا یہ ہے کہ حکم کی مخالفت کرے اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلے۔ دوسری بار جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک دس سال تھی۔ اس بار بیہودہ وساوس کو جڑ سے نکال دیا گیا اور تیسری بار (غارِ حرا میں) نبوت کے وقت، معراج کی شب جو شقِ صدر ہوا اس کے بارے میں حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں معراج کی رات شقِ صدر ہوا، یہ درست نہیں ہے۔(۱۲)

شق صدر نہ تو کسی اوزار سے کیا گیا اور نہ ہی اس میں خون بہا۔ بغیر کسی سلائی اور آلے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک پھر جڑ گیا، اس تمام عمل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی کیوں کہ یہ اللہ سبحانہ کا فعل ہے۔(۱۳)

مؤلف الابریز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جو شقِ صدر اس وقت ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق ہے۔ دس سال کی عمر مبارک میں جو شقِ صدر ہوا، اس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آیا ہے جسے عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زوائد مسند میں بیان کیا ہے اور جو شقِ صدر نبوت یعنی ابتداء بعثت کے وقت ہوا اس کا ذکر ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں، ابونعیم اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں کیا ہے، مگر جو شقِ صدر معراج کے وقت ہوا اس سے بعض نے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کا ذکر صرف شریک بن عبداللہ بن ابی نمر المدنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آیا ہے اور شریک منکر الحدیث ہے۔ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ یہ شقِ صدر بھی شریک کے سوا اوروں کی روایت سے صحیحین میں ثابت ہے، یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے، دیکھیں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری، کتاب التوحید کے آخر میں۔ واضح رہے کہ حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ بالکل امی تھے لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام خالص کشف اور اعیان تھا، لہٰذا درست یہی ہوگا کہ معراج شریف کے وقت شق

صدر نہیں ہوا۔ (۱۴)

پہلی وحی کا نزول:

غارِ حرا میں جب جبرائیل علیہ السلام قرآن مجید کی پہلی وحی ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ''(۱۵) لے کر نازل ہوئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو تین بار بھینچا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا ''مَاأَنَابِقَارِئٍ'' (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) تب جبرائیل نے آپ ﷺ کو پورے زور سے بھینچا۔

حضرت دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو پہلی بار تو اس لیے بھینچا تھا کہ آپ کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بنا کر خدا کی ایسی ابدی رضامندی حاصل کریں جس کے بعد کوئی ناراضگی نہ ہو۔ دوسری بار اس لیے بھینچا کہ جاہ محمدی میں داخل ہو اور آپ ﷺ کے جمال شریف کی پناہ میں آجائے اور تیسری بار اس لیے بھینچا کہ آپ ﷺ کی اُمت میں شامل ہو جائے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ نورِ مجسم ﷺ کو یہ کہنا ''اَقْرَأْ'' (پڑھو) اس سے مراد ہے کہ کلام قدیم کو اپنی حادث (جسمانی زبان) سے لوگوں تک پہنچا دیں کیونکہ اسی مقام پر تمام کا تمام قرآن مجید نازل ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِلنَّاسِ وَ بَیِّنَاتٍ مِنَ الْهُدیٰ وَالْفُرْقَان''(۱۶) سے یہی مراد ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ ﷺ ان معانی قدیمہ اور اس ازلی مکالمے کو جو آپ ﷺ کو اس وقت حاصل ہوا تھا، لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یعنی کلام قدیم اور قول ازلی کو اپنی جسمانی اور حادث زبان سے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آنحضور ﷺ کو سکھایا کہ وہ کس طرح اس حادث زبان سے کلام ازلی کو لوگوں تک پہنچائیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کو جبرائیل علیہ السلام سے بڑی محبت تھی۔ (۱۷)

حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ''یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ اصطلاحی معنوں میں کتابت نہ جانتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ نے لوگوں سے لکھنا یا پڑھنا سیکھا تھا، لیکن فتح ربانی کے طور پر آپ ﷺ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ ﷺ کی اُمت کے اولیاء جنہیں اللہ نے فتح (شرح صدر) عطا کی ہے وہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی تمام امتوں اور قوموں کے خطوط اور ان کے رسم الخط جانتے ہیں، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا علم نہ ہو۔'' (۱۸)

معراج شریف:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ روحانی طور پر اور ایک مرتبہ جسمانی طور پر۔ چناں چہ پہلی بار جو معراج روح کے ساتھ ہوئی وہ رؤیا منامی تھا۔ چناں چہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سو رہی تھی اور جو کچھ بھی دیکھا روح نے دیکھا اور اس میں کسی قسم کی تاویل یا تعبیر نہ کی گئی۔ (۱۹)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے نکاح:

حضرت علامہ احمد بن مبارک سلجماسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید کی اس آیت مبارک ''وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاه'' (۲۰) ''(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم لوگوں کی (باتوں) سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہیں اللہ کی ناراضی سے زیادہ ڈرنا چاہیے۔'' کے بارے میں دریافت کیا کہ اس میں اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عتاب کیا ہے۔ حالانکہ وہ سید العارفین اور امام الانبیاء والمرسلین ہیں۔

سید عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا مشورہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آجائیں گی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھپائے رکھا اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس کو عتاب کیا اور اپنے دل میں کہا ''لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس ڈرو۔'' چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطن کے مطابق وحی کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسی عتاب کے طرز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارد قلبی ظاہر فرمادیا۔ (۲۱)

صلح حدیبیہ:

۶ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کرنے کی غرض سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

ہاتھیوں کو روکنے ولے نے اسے بھی آگے جانے سے روک دیا ہے۔ پھر جب سہیل بن عمرو کفارِ مکہ کی طرف سے سفیر بن کر آئے تو اس وقت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ آسان ہو گیا ہے۔ بعد میں سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح حدیبیہ کی شرائط طے پا گئیں۔ (۲۲)

غزوۂ تبوک:

رسول اللہ ﷺ نے روم کے خلاف رجب ۹ ہجری میں جنگ کا عزم کیا تو اس وقت شدید گرمی اور تنگ دستی کا دور تھا۔ آنحضور ﷺ نے لوگوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر دیا اور گرد ونواح کے اعراب قبائل کو بھی جنگ میں ساتھ چلنے کے لیے بُلا لیا۔ چناں چہ اس موقع پر آپ ﷺ کے ہمراہ تیس ہزار افراد تھے۔ مدینہ سے تیاری کے وقت اشعریوں کا ایک وفد آنحضور ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ پہلے تو آپ ﷺ نے سواری دینے سے انکار کر دیا پھر ان کو سواری کے لیے اونٹ دے دیے۔ (۲۳) احمد بن مبارک سلجماسی مؤلف ''الابریز'' لکھتے ہیں: میں نے اس واقعہ کے بارے میں عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آنحضور ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: میں تم کو سواری کے لیے اونٹ نہیں دوں گا اور نہ ہی میرے پاس ہیں کہ میں تم کو دوں۔ مگر قسم کھانے کے بعد آپ ﷺ نے ان کو اونٹ عطا فرما دیے۔

دریافت طلب عمل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے حق بات کے خلاف اور صدق کے سوا کوئی بات نہیں نکل سکتی تھی پھر یہ بات کیوں کر ہوئی کہ پہلے تو آپ ﷺ قسم کھا کر انکار کر دیا پھر قسم کے خلاف اونٹ دے بھی دیے۔

اس پر سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیشک نبی کریم ﷺ سچ ہی بولا کرتے تھے اور حق بات ہی فرمایا کرتے تھے مگر آپ کا کلام باطن اور مشاہدے کے اعتبار سے نکلا کرتا تھا۔ چناں چہ کبھی تو آنحضرت ﷺ ذات الٰہی کے مشاہدے میں ہوتے اور جو لذت اس مشاہدے میں ہوتی ہے اس کی کیفیت نہ تو بیان ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اور اس کا متحمل ہو سکتا ہے اور دُنیا کی کوئی لذت بھی اس کے مماثل نہیں اور یہ وہ لذت ہے جو جنتیوں کو جنت میں دیدار الٰہی کے وقت حاصل ہو گی اور کبھی آنحضور ﷺ ذات باری تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدے میں مستغرق ہوتے اور اس مشاہدے میں اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدے کی وجہ سے خوف اور بے چینی ہوتی۔ ان دونوں مشاہدوں میں آپ ﷺ مخلوق سے

غافل ہو جاتے اور کسی کو بھی نہیں دیکھتے تھے اور کبھی آپ ذات خداوندی کا مشاہدہ مخلوقات کے ساتھ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرت کو تمام مخلوقات میں ساری پاتے۔ اس مشاہدے میں ذات باری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطن سے غائب ہو جاتی اور اس کے افعال باقی رہ جاتے۔ اسی تیسرے مشاہدے میں احکام شرعیہ کی تعمیل مخلوق کی تعلیم وتربیت اور ان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کی خدمت انجام پاتی تھی لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ بھی نکلتا تھا ان تینوں مشاہدوں سے خارج نہ ہوتا تھا۔ چناں چہ کلام فرماتے وقت کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے مشاہدے میں ہوتے اور کبھی تیسرے اور واقعہ مذکور کا تعلق دوسرے مشاہدے سے ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات باری اور اس کی قدرت کے مشاہدے میں اس قدر مستغرق تھے کہ وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر تھے۔ لہٰذا جب اشعریین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہمیں سواری کے اونٹ عطا فرمائیں تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مشاہدے کی حالت میں تھے کہ جواب میں یہ فرما دیا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں سواری کے لیے اونٹ نہ دوں گا اور نہ ہی میرے پاس ہیں کہ میں تم کو دوں۔ (کیوں کہ مالک حقیقی اور معطی حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں) اور یہ بات ہے بھی درست۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشاہدہ حق سے مشاہدہ خلق کی طرف لوٹے تو اتفاق ایسا ہوا کہ اونٹ بھی آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشاہدے کے مطابق عمل کیا۔ کیونکہ اس مشاہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی اطاعت ہو اور حقوق بھی ادا کیے جائیں اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اشعری کہاں ہیں؟ اس پر وہ بلائے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اونٹ عطا فرمائے۔

انہوں نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے تو حلف اُٹھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اونٹ نہ دیں گے اور اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ایسے کلمات ارشاد فرمائے جن سے مطلب نکلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء میں جو قسم کھائی تھی وہ اسی مشاہدے کے حال کے مطابق تھی (کیوں کہ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نفس پر ہی اختیار نہ تھا چہ جائیکہ اونٹوں کا دینا) اس لیے فرمایا کہ میں نے تم کو سواری کے لیے اونٹ نہیں دیے بلکہ اللہ نے دیے ہیں یعنی میں نے یہی تو قسم کھائی کہ میں نہ دوں گا اور نہ میرے پاس اونٹ ہیں جو تم کو سواری کے لیے دوں اور یہی حقیقت ہے کہ تمہیں سواری کے لیے اونٹ دینے والا اللہ ہے نہ کہ میں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس طرح بتلا دیا کہ آپ نے جو کیا ہے وہ سچ فرمایا ہے اور درست ہے۔ [۲۴]

نبوت:

سید عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نبوت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نبوت کا پہلا جز حق گوئی ہے اور یہ صفت اس ذاتی نور سے پیدا ہوتی ہے جو حق گوئی پر مجبور کرتا ہے اور یہ اس کی طبیعت اور خصلت بن جاتی ہے اور جو شخص حق گوئی سے باز نہیں آتا خواہ دوست واحباب اُس کے مخالف ہی کیوں نہ ہو جائیں اور اُسے وطن ہی کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ بلکہ خواہ اس میں اس کی گردن ہی کیوں نہ کٹ جائے (وہ حق بات سے باز نہیں آتا) چناں چہ مشرکین مکہ نے کتنا ہی چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق گوئی چھوڑ دیں اور ہر ممکن طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھسلانا چاہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ مانے، اس پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ہو گئے اور سب نے متحد ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت قدمی بڑھتی گئی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدس کی سرِشت میں حق گوئی ہے اور اس کے خلاف تصور میں ہی نہیں آسکتا۔ (۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کی تشریح:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی ''مشفع'' اور ''اَلْمَنْحَمَنَّا'' کے بارے میں علامہ احمد بن مبارک سلجماسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: میں نے حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نام مشفع ہے کیا یہ فاء سے ہے یا قاف سے ہے کیوں کہ علماء کے درمیان اس بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ فرمایا: یہ لفظ فاء کے ساتھ ہے جس کے معنی ''حمد'' کے ہیں اور یہ سریانی لفظ ہے۔ پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام ''اَلْمَنْحَمَنَّا'' کے تلفظ کے بارے میں پوچھا کیوں کہ اس لفظ کو ضبط کرنے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے چناں چہ بعض کہتے ہیں کہ اس کی پہلی میم پر پیش اور دوسری کے نیچے زبر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلی میم پر زبر اور دوسری کے نیچے زیر ہے۔ اس پر حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں میموں پر زبر ہے اور یہ دو کلمے ہیں ایک کلمہ نہیں چناں چہ ''مَنْ'' میم کا زبر اور نون ساکن سے ایک کلمہ ہے اور ''حَمَنَّا'' حاء اور میم پر زبر اور نون مشدد دوسرا کلمہ ہے۔ پہلے کلمہ کے معنی ہیں وہ نعمت جس کا ظاہری نفع بھی ہو اور باطنی بھی۔ ظاہری نفع وہ ہے جو ذات کو عالم اشباح میں حاصل ہو اور باطنی نفع وہ ہے جو ارواح کو عالم ارواح میں حاصل ہو۔ لہٰذا یہ ایسی نعمت ہوئی جس سے تمام مخلوقات اور تمام جہاں سیراب ہو چکے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی شان ہے اور دوسرے کلمہ کے معنی جو پہلے کلمہ کی صفت (نعت) کے طور پر آیا ہے کہ

پہلی نعمت انتہائی درجہ تک پہنچ چکی اور انتہائی درجہ تک بلند ہے، گویا یوں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسی خداوندی نعمت ہیں جو انتہا کو پہنچ چکی ہے اور آپ ﷺ کے درجے تک نہ پہلے کوئی پہنچ سکا اور نہ بعد میں پہنچ سکے گا اور ''اَلْمَنْحَمَنَا'' ایک سریانی لفظ ہے۔(۲۶)

علمِ نبوی ﷺ:

منافقین جب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عذر پیش کرتے تو آپ ﷺ ان کے عذر کو قبول فرما لیتے تھے۔ حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسا ہرگز خیال نہیں رکھنا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کو عذر پیش کرنے والوں میں سے سچے اور جھوٹے کا علم نہیں تھا۔ آپ ﷺ پر بھلا یہ بات کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔ جب کہ اس زمانہ میں بھی صاحب فتح آدمی کو اس زمانہ کے سچے اور جھوٹے لوگوں کا علم ہے اور تمام اہل فتح کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو کچھ انہیں حاصل ہوا ہے وہ صرف آنحضور ﷺ کی محبت کی بدولت حاصل ہوا ہے چناں چہ انہیں آپ ﷺ کے نور مبارک میں سے صرف بال برابر نور عطا کیا گیا ہے۔(۲۷)

حضرت دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التفکر'' میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ سے زیادہ عالم تھے اس بارے میں آپ کی کیا آرا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک لاکھ سال، پھر ایک لاکھ سال یہاں تک کہ لاانتہا سال تک زندہ رہیں تب بھی آنحضرت ﷺ کی چوتھائی معرفت نہیں حاصل کر سکتے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ سے زیادہ علم والے کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی پیدائش ہی آپ ﷺ کے نور سے ہوئی ہے، اور پھر جبرائیل علیہ السلام اور تمام ملائکہ آقا کریم ﷺ کے نور کا ایک جزو ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام تو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔(۲۸)

بچپن میں جب ملائکہ نے نبی اکرم ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا تو اس وقت آپ ﷺ کی ذات طاہر اور روح کے درمیان حجاب اُٹھ گیا تھا اور اُسی وقت سے آپ کی روح اور ذات کے درمیان اتحاد ہو گیا تھا اور آپ ﷺ کی ذات ان اُمور پر مطلع ہو گئی تھی جن پر آپ ﷺ کی روح مطلع تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح سامنے سے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اَقِیمُوْا رَکُوْعَکُم وَسَجُوْدَکُمْ فَانِیْ أراکم مِنْ خَلْفِیْ کَمَا أراکم عَنْ اَمَامِی''(۲۹) ''تم اپنے رکوع اور سجود کو ٹھیک ادا کیا کرو کیوں کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسے ہی دیکھتا ہوں

جیسے سامنے سے دیکھتا ہوں''

نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابرو مبارک ملے ہوئے نہ تھے:

مؤلف کتاب ''الابریز'' کہتے ہیں کہ میں نے حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابرو ملے ہوئے تھے جیسا کہ ایک روایت میں ہے یا غیر اقرن تھے یعنی ابروں میں فاصلہ تھا جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اقرن نہ تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابرو مبارک آپس میں ملے ہوئے نہ تھے۔ (۳۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی داڑھی مبارک:

چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک کے متعلق روایات میں اختلاف ہے اس لیے حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ریش مبارک کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک گھنی تھی اور ساتھ ہی تھوڑی متوسط طور پر لمبی تھی اور جہاں رخسار اور ٹھوڑی ملتے ہیں وہاں ریش مبارک ہلکی تھی۔ (۳۱)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بغل کے بال مبارک:

اس بارے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بغل شریف میں بال تھے یا نہیں تھے۔ حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بغل شریف میں اتنے بال نہ تھے کہ نوچے جا سکیں، بلکہ بہت ہی کم بال تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بغل مبارک سفید تھی جس میں تھوڑی سی بالوں کی سیاہی ملی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بغلوں میں کم بال ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چھاتی کے اوپر کے حصہ اور کندھوں پر بال بہت زیادہ تھے۔ چناں چہ ان دونوں اعضاء مبارکہ پر بکثرت بال تھے یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بغلوں میں بال کم تھے۔ واللہ اعلم

مؤلف کتاب علامہ احمد بن مبارک سلجماسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں جب بعض روایت میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کندھوں پر بال تھے تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی مگر جب میں نے حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کلام سُنا تو فوراً یہ بات سمجھ آ گئی۔ (۳۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر اور ڈاڑھی کے بال مبارک:

آپ رحمۃ اللہ علیہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بالوں (کیوں کہ اس میں اختلاف ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سفید

بالوں اور خضاب کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونا استعمال کیا؟ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال کبھی لمبے ہوتے تھے اور کبھی چھوٹے، ہمیشہ ایک جیسے نہیں ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشانی کے پاس سے بال کتروا دیتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے سوا کبھی سر کے بال نہیں منڈوائے۔ ریش مبارک میں نچلے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان تقریباً پانچ سفید بال تھے اور سر میں کنپٹیوں کے قریب چند سفید بال تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہندی سے داڑھی مبارک کو خضاب لگایا مگر صرف اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں بطور فاتح داخل ہوئے۔ علاوہ ازیں چند بار مدینہ منورہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونے کا استعمال کیا۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چونا تیار کیا کرتی تھیں۔ (۳۳)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت مبارک:

مؤلف الابریز کہتے ہیں کہ میں نے حضرت دباغ سے سوال کیا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت شہادت درمیانی انگشت سے بڑی تھی کیا یہ صحیح ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کی شہادت کی انگلی پاؤں کی درمیانی انگلی سے بڑی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں درمیانی انگلیوں کے برابر تھیں۔ (۳۴)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال مبارک:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال مبارک کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں بائیں جھک کر چلتے تھے، مؤلف الابریز لکھتے ہیں پھر حضرت دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے چل کر دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں اپنی ظاہری زندگی میں کیسے چلتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ آگے کو تقریباً ساٹھ قدم چلے، میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دائیں بائیں جھکتے دیکھا۔ یہ ایک ایسی چال تھی کہ جس کی خوبی کو دیکھ کر میری عقل اُڑنے کو تھی۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ محیر العقول چال کبھی نہیں دیکھی۔ خدا حضرت سے راضی ہو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کس قدر صحیح علم تھا۔ (۳۵)

المختصر سید عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں تصوف کے اسرار و رموز پر روشنی ڈالی ہے وہاں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کو بڑے احسن انداز میں واضح کیا ہے۔

○○○

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سلجماسی، احمد بن مبارک، الابریز، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء، ص:۳۷۶۔۳۷۷
۲۔ ایضاً ص: ۳۷۴
۳۔ ایضاً ص:٦٦
۴۔ ایضاً ص:٦٦۔٦٧
۵۔ ایضاً، ص:١٦٧
٦۔ سلجماسی، احمد بن مبارک، الابریز، ص:١٧١
۷۔ ایضاً ص:١٦٧
۸۔ ایضاً ص:١٦٦
۹۔ ایضاً ص:١٦٦
۱۰۔ ایضاً ص:١٦٧
۱۱۔ ایضاً ص:١٥١
۱۲۔ ایضاً ص:١٦٨
۱۳۔ ایضاً ص:١٦٨
۱۴۔ ایضاً ص:١٦٩
۱۵۔ العلق:١
١٦۔ البقرۃ:٨٥
١٧۔ سلجماسی، احمد بن مبارک، الابریز ص:١٦٩
١٨۔ ایضاً ص:٩٠
١٩۔ ایضاً ص: ١٤٤
٢٠۔ الاحزاب:٣٧
٢١۔ سلجماسی، احمد بن مبارک، الابریز ص:٢٣٢

۲۲۔ ایضاً، ص:۱۱۹

۲۳۔ ابن کثیر، ابوالفداء، عماد الدین، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مترجم: ہدایت اللہ ندوی، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۱۴ء، ۴۹۵/۲

۲۴۔ سلجماسی، احمد بن مبارک، الابریز، ص:۱۶۱

۲۵۔ ایضاً، ص:۶۲

۲۶۔ ایضاً، ص:۱۸۱

۲۷۔ ایضاً، ص:۲۳۳

۲۸۔ سلجماسی، احمد بن مبارک، الابریز، ص:۳۹۰

۲۹۔ ایضاً، ص:۶۸

۳۰۔ ایضاً، ص:۱۶۸

۳۱۔ ایضاً، ص:۱۶۸

۳۲۔ ایضاً، ص:۱۶۷۔۱۶۸

۳۳۔ ایضاً، ص:۳۳۳

۳۴۔ ایضاً، ص:۱۸۷

۳۵۔ ایضاً، ص:۱۶۸